دہلی، دیوبند، حسن پور، مرادآباد اور سہارنپور کا

# ایک علمی سفر


مؤلف

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی



ناشر

**مکتبہ ضیاء الکتب**، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ: 276403      موبائل: 9235327576

# تفصیلات

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | ایک علمی سفر |
| مؤلف | : | مولانا ضیاء الحق خیر آبادی |
| مرتب | : | مولانا عبداللہ خالد خیر آبادی |
| صفحات | : | 32 |
| طبع اول | : | اکتوبر ۲۰۲۱ء |
| ناشر | : | مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی) |
| نوعیت | : | برقی ایڈیشن |
| موبائل نمبر | : | 9235327576 |
| ای میل | : | zeyaulhaquekbd@gmail.com |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# سفر نامہ سے پہلے

## مولانا عبداللہ خالد خیر آبادی

مدیر ماہنامہ مظاہر علوم، سہارن پور

میں نے یہ سفر نامہ ایک خاص مقصد سے لکھا تھا، جس کا ذکر بالکل اخیر میں ہے کہ:
''میں نے سفر کے متعلق اپنی یادداشت کو قلم بند کردیا شروع کردیا، مقصد یہ تھا کہ اس تحریر کے ذریعہ اہل علم کو سیمینار کے بارے میں معلوم ہو اور وہ اس میں دلچسپی لیں۔''
حسب فرصت قسط وار لکھ کر اسے پوسٹ کرتا رہا، آج جب یہ مکمل ہوا تو رفیق، محترم مولانا عبداللہ خالد نے اپنے پیش لفظ کے ساتھ اسے رسالہ کی شکل دے کر پی ڈی ایف فائل بنادی، جس پر میں ان کا ممنون ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزا

رفیق مکرم، محبّ گرامی مولانا ضیاء الحق خیر آبادی (حاجی بابو) کا یہ علمی اور تاریخی سفر نامہ چھ قسطوں میں مکمل ہوا، خوب استفادہ کیا اور خوب محظوظ ہوا۔

سفر نامہ اردو صنف ادب کی ایک قسم ہے اور اردو زبان و ادب میں اس شاہراہ پر بہت سے اصحابِ قلم نے اپنے اشہبِ قلم کو مہمیز دی ہے اور کامیاب و کامران گزرے ہیں ۔شوق سفر انسانی زندگی کے خمیر میں اس طرح پیوست ہے جیسے فولاد میں جوہر، انسان نے اس انوکھی، قدم قدم پر حیرت اور استعجاب اور ہر لمحہ رواں دواں زندگی میں کبھی ایک جگہ ٹھہرنا پسند ہی نہیں کیا،

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا

کے مصداق، نئی دنیا کی تلاش اس کی سرشت میں شامل ہے۔

سفر انسانی زندگی کو سنوارنے اور مرتب کرنے کی کوشش کا ایک سلسلہ ہے۔ بقول استاذی حضرت مولانا ضیاالدین قاسمی خیرآبادی:

> سفر نامہ دراصل گھر میں بیٹھے دنیا کی سیر، قوموں کی تہذیب وثقافت کی جانکاری، دینی ،سیاسی سرگرمیوں سے واقفیت، اور جغرافیائی معلومات، ملکوں اور علاقوں کی اب وہوا، ترجیحات، نیز ان علاقوں کے بزرگوں، تاریخ ساز افراد اور ان کے کارناموں کی کچھ نہ کچھ نہ جانکاری حاصل ہونے کا آسان ذریعہ ہے۔

اور بقول صبیحہ انور:

دیکھ لے اس چمنِ دہر کو جی بھر کے نظیر
پھر ترا کاہے کو اس باغ میں آنا ہوگا

سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جسے مسافر سفر کے دوران یا منزل پر پہنچ کر اپنے تجربات اور مشاہدات کی مدد سے تحریر کا جامہ پہناتا ہے اور اپنی گزری ہوئی کیفیات سے دوسروں کو واقف کراتا ہے۔ راہ میں پیش آنے والے اپنے تحیر، استعجاب اور اضطراب کو اس طرح سے قلم بند کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے نہ صرف پوری تصویر آجاتی ہے بلکہ اس مقام سے متعلق تمام معلومات مع تفصیل اس کے علم اور آگہی میں اضافہ کردیتے ہیں۔

اپنے اوپر گزرنے والی کیفیات کا بیان کرتے وقت سفر نامہ لکھنے والا خود سفر نامے کے مناظر کا حصہ بن جاتا ہے، سفر میں گزرنے والے حالات وتاثرات کا یہ اصلی اور جذباتی ریکارڈ ہوتا ہے جس میں سفر کی نوعیت سے لے کر دوسری تفصیلات، موسم، جغرافیائی، تاریخی، سماجی احوال اپنی رائے کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔

سفر نامہ لکھے جانے کا بہت کچھ انحصار مسافر یا سیاح کی مزاجی کیفیت، قوت مشاہدہ اور انداز تحریر پر ہوتا ہے۔ عازم سفر کے لیے یہ دلاسہ ہوتا ہے کہ باہر تو نکلو، مسافر نواز بہتیرے ملیں گے۔ ہزاروں شجر سایہ دار راہ میں منتظر ہیں۔

کچھ سفر کسی ضروری کام یا کسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں اور کچھ محض لذتِ صحرا

نوردی کے لیے جہانیاں جہاں گشت بن جاتے ہیں۔

رفیق محترم حاجی بابو نے یہ سفر نامہ لکھا اور خوب لکھا، میرا اپنا تاثر یہ ہے اور اسے لکھنے میں مجھے کوئی تامل بھی نہیں ہے کہ سرزمینِ خیرآباد کے نوجوان علماء اور فضلاء میں رفیق گرامی قدر حاجی بابو(رفع اللہ قدرہ) علمی دنیا میں اپنی بہترین علمی شناخت کی وجہ سے جس قدر متعارف ہیں کوئی اور نہیں ہے، اپنی خداداد صلاحیت اور قابلِ حیرت قوتِ حفظ اور شوقِ مطالعہ کی وجہ سے بڑے بڑے علماء وادباء کی محفل میں وہ میرِ مجلس بن جاتے ہیں۔

پیشِ نگاہ سفر نامہ حاجی بابو کا کوئی پہلا سفر نامہ نہیں ہے بلکہ اس سے پیشتر انھوں نے متعدد علمی اسفار کئے ہیں اور اس کی روداد قلم بند کی ہے اور قارئین کے لئے تاریخ اور ادب وثقافت کے لئے بہترین مواد فراہم کیا ہے۔

یہ سفر نامہ اس اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل ہے کہ ایک خاص مقصد کے حصول کے لئے وہ سفر پر نکلے ہیں اور سفر نامہ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رہوارِ فکر اپنے اس مقصدِ سفر سے انھیں بالکل ہٹنے نہیں دیتا ہے، اور ایک سمجھدار انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ وہ زندگی کے کسی بھی حصہ میں اپنے مقصد کی حصولیابیوں کو کبھی بھی فراموش نہ کرے۔

سفر نامہ مختلف اقساط میں پھیلا ہوا تھا، میں نے اسے یکجا کر کے استفادہ آسان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالی رفیق محترم حاجی بابو کو علم وادب کی خدمات کے لئے قبول فرمائے اور بزرگانِ دین اور علما وادبا کا معتمد بنائے رکھے۔

عبداللہ خالد خیرآبادی

۲۷/اکتوبر۲۰۲۱ء مطابق ۲۰/ربیع الاول۱۴۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دہلی، دیوبند، حسن پور، مرادآباد اور سہارنپور کا ایک علمی سفر

بقلم: مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو)

## مقصدِ سفر:

جمعیۃ علماء ہند نے اپنی تاسیس کے سو سال مکمل ہونے پر اپنے بانیین اور ممتاز رہنماؤں وقائدین پر سیمینار کا سلسلہ شروع کیا، جس کے تحت پانچ اہم شخصیات [مولانا سید میاں دیوبندی، مولانا ابوالمحاسن سجاد، مولانا حبیب الرحمٰن محدث الاعظمی، مولانا احمد سعید دہلوی، اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہم الرحمہ] پر سیمینار ہو چکے ہیں اور ان سیمینار کے مجموعۂ مقالات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جن شخصیات پر سیمینار ہونا باقی ہے ان میں ایک اہم شخصیت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب [م: اپریل ۱۹۷۲ء] سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کی بھی ہے، ان پر ہونے والا سیمینار بوجوہ موخر ہوتا رہا، گزشتہ ماہ صدر جمعیۃ مولانا سید محمود مدنی صاحب نے مجھے فون کیا کہ آپ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب پر ہونے والے سیمینار کی ذمہ داری قبول کریں اور اس کی تیاری شروع کریں۔

ششماہی امتحان کی تعطیل پر اس کی تیاری کی سلسلہ میں دہلی، دیوبند، کاندھلہ، مرادآباد اور سہارنپور کے سفر کا قصد کیا، اور ۱۴/اکتوبر کو کیفیات سے چل کر ۱۵/کو دہلی پہنچا، وہاں اپنے عزیز دوست مولانا عبدالملک اور مولانا اسعدالدین صاحبان سے اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا۔ اسی روز مباحث فقہیہ کی ایک میٹنگ کیلئے مفتی سلمان صاحب منصور پوری، مفتی محمد عفان، مفتی شبیر صاحب، مولانا عبداللہ معروفی اور مفتی محمد راشد صاحب اعظمی

وغیرہ تشریف لائے تھے، سبھی لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے جمعہ کے بعد جن شتابدی سے چل کر مغرب کے وقت دیوبند پہنچا، میرے عزیز شاگرد مولانا جمال الدین دربھنگوی جو دارالعلوم دیوبند میں ترتیب فتاویٰ میں ہیں، مجھے لینے اسٹیشن آئے، قیام مہمان خانہ میں رہا، وہاں سے اپنے رفیق درس مولانا فہیم الدین بجنوری کے یہاں گیا، وہ مولانا فخر الدین صاحب کے درس بخاری ''ایضاح البخاری'' اور ان کی سوانح پر کام کر رہے ہیں، ان سے مولانا فخر الدین صاحب کے بارے میں گراں قدر معلومات اور مواد حاصل ہوئے، انھوں نے اس سلسلہ میں ہر طرح کے علمی وقلمی تعاون کی پیشکش کی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء

وہاں سے اپنے رفیق درس اور عزیز دوست مولانا مزمل بدایونی کے یہاں پہنچا، موصوف میرے انتہائی قریبی اور بے تکلف دوستوں میں سے ہیں، ان کے یہاں کھانا کھا کر مہمان خانہ میں جا کر مولانا فہیم الدین صاحب کے مہیا کردہ مواد کا گیارہ بجے تک مطالعہ کرتا رہا، اس کے بعد سویا۔ نماز فجر کے بعد مہتمم مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا کہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب پر ہونے والے سیمینار کے سلسلہ میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، کوئی وقت متعین کر دیں، انھوں نے فرمایا کہ نو بجے دفتر اہتمام میں آجائیں۔ شعبۂ تخصص فی الحدیث کے استاذ مولانا عبد اللہ معروفی صاحب نے فجر کے بعد چائے پر مدعو کر رکھا تھا، نماز کے بعد وہاں حاضر ہوا، مولانا خالص علم وتحقیق کے آدمی ہیں، ان سے دیر تک مختلف علمی موضوعات پر بات ہوئی، انھوں نے بھی مولانا فخر الدین صاحب پر لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ وہاں سے استاذی مولانا محمد افضل صاحب کی خدمت میں پہنچا، ان کے ساتھ ناشتہ کر کے اپنے کرم فرما مولانا محمد اللہ صاحب کے پاس پہنچا جو شعبہ انٹرنیٹ کے ذمہ دار ہیں، بے حد خلیق اور بڑے عمدہ علمی ذوق کے مالک ہیں، مجھے اپنے علمی کاموں میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے، میری طبیعت کو ان سے خاص انس اور مناسبت ہے۔ ان کے ساتھ کتب خانہ میں گیا، مولانا فخر الدین صاحب سے متعلق کئی کتابیں نکلوا کر دیکھا اور مولانا سے کہا کہ ان کی پی ڈی ایف فائل بنوا دیں تا کہ اس

کے ذریعہ مقالات لکھوانے میں سہولت رہے۔نو بجے دفتر اہتمام میں پہنچا، مہتمم صاحب سے بھی مقالہ لکھنے کی درخواست کی ،مولانا فخر الدین صاحب ان کے خاص استاذ ہیں، بخاری شریف انھوں نے مولانا سے ہی پڑھی ہے،اور درس بخاری کے نوٹس بھی ان کے پاس ہیں، اوراس وقت وہ بخاری شریف پڑھا بھی رہے ہیں۔مہتمم صاحب نے فرمایا کہ ان شاء اللہ میں ضرور مقالہ لکھوں گا، انھوں نے کافی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ وہاں سے کتب خانہ نعیمیہ اور مولوی شمشیر صاحب کے یہاں گیا، ان دونوں سے کتابوں کا لین دین رہتا ہے۔دوپہر کا کھانا مولانا عارف جمیل صاحب کے یہاں کھایا،مولانا نے اپنی کتاب **موسوعة علماء ديوبند** عطا کی، جوزرکلی کی **الاعلام** کے طرز پر لکھی گئی علماء دیوبند کے بارے میں بڑی مفید کتاب ہے۔عصر سے پہلے مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری سے ملاقات کی ،ان کے پاس قدیم کتابوں اور رسالوں کا ایک نادر اور وسیع ڈیجیٹل ذخیرہ ہے، نصف گھنٹہ ان سے گفتگو رہی، انھوں نے عشاء کے بعد اپنے یہاں بلایا،عصر سے مغرب تک اپنے رفیق درس مولانا عمران اللہ غازی آبادی کے یہاں رہا، چائے ان کے گھر پی ۔مغرب کے بعد مولانا فہیم الدین صاحب کے ساتھ مولانا سلمان بجنوری صاحب کے یہاں حاضر ہوا، مولانا فخر الدین صاحب والے سیمینار کے کنوینز وہی تھے،اس لئے ان سے اس سلسلہ گفتگو کی کہ کون سا لائحہ عمل بنایا جائے کہ جلد از جلد کامیابی کے ساتھ سیمینار کا انعقاد ہو سکے، دیر تک مولانا کے یہاں رہا۔عشاء سے کچھ پہلے وہاں سے واپسی ہوئی۔

وقت کی کمی اور کاموں کے ہجوم کی وجہ سے میں نے کسی کو آمد سے مطلع نہیں کیا تھا، پھر بھی جن کو معلوم ہوا کہ میں نے دیوبند میں ہوں ان لوگوں کے فون آتے رہے، قیام تو مہمان خانہ میں تھا،لیکن میں مسلسل وہاں سے باہر ہی رہا،ان لوگوں سے ملاقات کی غرض سے مولانا سلمان صاحب کے یہاں سے سیدھے مہمان کے لئے نکلا، درمیان میں مولانا ندیم الواجدی صاحب سے ملاقات کی ، وہ سیمینار کے اہم مقالہ نگاروں میں سے ہیں، وہیں مولانا ڈاکٹر فاروق اعظم قاسمی سے بھی ملاقات ہوگئی ۔مہمان خانہ پہنچ کر عشاء تک

وہیں رہا اور طلباء سے مل کر عشاء بعد مولانا فہیم الدین بجنوری کے یہاں پہنچا، رات کا کھانا ان کے یہاں تھا، وہاں سے مولانا شاہ عالم صاحب کے یہاں حاضر ہوا، واقعی مولانا موصوف نے قدیم کتابوں اور رسائل بالخصوص ردقادیانیت پر جیسا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں اور مل سکے، ان کی اس محنت پر بے ساختہ صدائے آفریں نکلی۔ مولانا کا ایک مختصر ومفید رسالہ عقائد پر ہے، اس کے بیس نسخے میں نے لئے۔ وہاں سے مہمان خانہ آ گیا۔

پروگرام کے مطابق مجھے اتوار کی صبح کاندھلہ جانا تھا، مولانا نور الحسن راشد صاحب مسلسل رابطے میں تھے اور مولانا فخر الدین صاحب کے تعلق سے مسلسل کتابوں کی رہنمائی کررہے تھے، ان کی بتائی ہوئی اکثر کتابیں مجھے دیوبند کے کتب خانہ میں مل گئیں، سنیچر کی شام کو مولانا نے بتایا کہ ان کو اتوار کی صبح ایک ضروری کام سے کہیں جگہ جانا ہے، مولانا کو یہ پروگرام یاد نہ تھا، ورنہ سنیچر کو ہی وہاں حاضری ہو جاتی۔ اس خبر کے بعد میں نے کاندھلہ کا پروگرام منسوخ کردیا اور اتوار کو مرادآباد جانے کا پروگرام بنالیا۔

## کچھ دیر حسن پور میں:

۱۷/اکتوبر اتوار کی صبح مرادآباد کے لئے نکلا۔ درمیان میں ایک مشہور قصبہ حسن پور ہے، جہاں، میرے بہت ہی عزیز شاگرد مولانا محمد مجتبٰی سلّمہٗ ہیں جو بسلسلہ تدریس وامامت یہاں مقیم ہیں ان کا اصرار تھا کہ میں حسن پور رک کر مرادآباد جاؤں، مجھے ان کی خاطر بہت عزیز ہے، میں نے ان کی بات منظور کرلی، اس قصبہ سے مجھے خاص اُنس ہے، یہاں ایک بزرگ نواب آخون عزیز الٰہی خاںؒ تھے، دنیوی وجاہت وریاست کے باوجود بڑی سادہ طبیعت پائی تھی، علماء دیوبند سے بڑا گہرا تعلق تھا، ان بزرگوں سے مسلسل خط وکتابت جاری رہتی تھی، مولانا منظور نعمانی علیہ الرحمہ سے خاص تعلق تھا، نواب صاحب نے ان بزرگوں کے خطوط کو محفوظ بھی رکھا تھا۔ مولانا نعمانی کے خطوط مولانا نسیم احمد فریدی کے شاگرد رشید مولانا محبّ الحق صاحب نے ''مکتوبات نعمانی'' کے نام سے شائع کیا جو تقریباً

پونے دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔اس کے علاوہ ایک دوسرا مجموعہ ''مکتوبات مشاہیر'' کے نام سے مولانا محبّ الحق صاحب نے شائع کیا، جو دوسو صفحات پر مشتمل ہے، اس میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمیؒ ثم الہ آبادی، مولانا مسیح اللہ خاں صاحب، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سید محمد میاں دیوبندی جیسے اکابر کے خطوط ہیں، مکتوب نگاروں کی تعداد پچاس سے زائد ہے، تفصیل اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ان بزرگوں نے نواب صاحب کے بارے میں جن بلند خیالات کا اظہار کیا ہے میرا جی چاہ رہا تھا کہ نواب صاحب کی قبر پر حاضری دوں اور ان کے صاحبزادے سے ملوں۔

دیوبند سے فجر پڑھ کر فوراً نکلنے کا ارادہ تھا، مولانا محمد اللہ صاحب نے کہا کہ نماز فجر کے معاً بعد گھر آجائیں اور چائے پی کر جائیں، رات ہی سے گرج چمک کے ساتھ ہلکا ہلکا ترشح جاری تھا، چائے کے نام پر انھوں نے مکمل ناشتہ کرایا، وہاں سے عزیزی مولوی جمال سلّمہٗ کے ہمراہ مہمان خانہ آیا، پروگرام یہ تھا کہ بس سے میرٹھ جاؤں اور وہاں سے حسن پور، لیکن موسم کی کیفیت دیکھتے ہوئے بس سے جانے کی ہمت نہ ہوئی، آٹھ بجے ایک ٹرین تھی اسی سے جانا طے ہوا، مولوی جمال سلّمہٗ نے اسٹیشن پہنچایا اور سوا نو بجے میرٹھ پہنچ گیا، جگہ جگہ خوب موسلا دھار بارش ملی، میرٹھ سے روڈویز کی بس سے گجرولا پہنچا، مولانا مجتبیٰ صاحب گاڑی لے کر وہاں موجود تھے، اس وقت اتنی زوردار بارش ہو رہی تھی کہ بس اسٹنڈ پانی پانی ہو رہا تھا، کسی طرح بس سے اتر کر گاڑی میں بیٹھا اور دس پندرہ منٹ میں حسن پور پہنچ گیا، راستہ میں ہندوؤں کی کوئی تیرتھ گاہ تھی جہاں کافی چہل پہل اور بھیڑ بھاڑ تھی۔

مولانا مجتبیٰ صاحب نے شیخوپور، اعظم گڈھ میں پانچ سال پڑھا ہے، دورانِ تعلیم مجھ سے بہت قریب رہے اور یہ قرب وتعلق اب بھی ویسے ہی باقی ہے، شیخوپور سے جلالین شریف پڑھ کر یہ دارالعلوم دیوبند گئے جہاں سے ۲۰۰۷ء میں فراغت حاصل کی۔وطنی قرب

کی وجہ سے وہاں مفتی ظفیر الدین صاحب سے خاص تعلق رہا۔موصوف نہایت محنتی، ذی شعور اور متحرک وفعال شخص ہیں، تدریس اور تعلیم وتربیت کے ساتھ تحریر وتقریر میں بھی اچھا درک رکھتے ہیں، ابتدائی درجات کی تدریس کا غیر معمولی ملکہ ہے۔ یہ پہلے معارف القرآن اوجھاری میں مدرس تھے، وہاں سے نکلے تو حسن پور میں ''مسجد انگور والی'' کے ذمہ داروں نے بحیثیت امام یہاں دعوت دی، یہاں آنے کے بعد مشکوٰۃ شریف کے طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد ان کے پاس آگئی، جس کو انھوں نے مسجد میں ہی پڑھانا شروع کیا، مسجد کے ذمہ داروں نے بھی اس سلسلہ میں بڑا تعاون کیا، اور دو تین سال میں درجہ حفظ، عربی اول سے سوم تک اور عربی ہفتم کی جماعت قائم ہوگئی، اور طلبہ کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی، ان کی محنت اور تعلیم وتربیت کا ثمرہ ہے کہ ان کے طلبا میں سے نوے فیصد دارالعلوم دیوبند کے داخلہ امتحان میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے جیسے تمام مدارس متاثر ہیں، یہ ادارہ بھی سخت متاثر ہے، اب اس ادارے کے لئے ایک صاحب خیر نے ایک مناسب قطعہ زمین مدرسہ کے نام پر وقف کردیا ہے، مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ کو اس ادارہ سے خاص تعلق تھا، وہ اس کے سرپرست تھے۔

انگور والی مسجد حسن پور کے نشیبی علاقہ میں ہے، جب میں پہنچا تو اس قدر زوردار بارش ہورہی تھی کہ مسجد کے آس پاس گھٹنے بھر پانی تھا، کسی طرح مسجد میں پہنچے، ظہر کی نماز ادا کی، ظہر کے بعد جب بارش کچھ کم ہوئی تو مولانا مجتبیٰ صاحب کے گھر جاکر کھانا کھایا، اور عصر تک آرام کیا۔ عصر بعد بھی بارش کا سلسلہ کم وبیش جاری رہا، صورتحال کچھ ایسی رہی کہ کہیں آنے جانے کے لائق موسم نہ تھا۔ اس لئے عصر بعد مسجد میں ہی رہا، ایسے موسم کے باوجود مصلیوں کی خاصی تعداد عصر میں موجود تھی، موصوف کی محنت وکاوش کے نتیجہ میں اطمینان بخش دینی ماحول نظر آیا، بہت سارے لوگ ملاقات کے لئے آئے، مسجد کے متولی سردار خاں تو باہر تھے لیکن انھوں نے دیگر ذمہ داروں کو میری راحت وآرام کے لئے خصوصی ہدایت دے رکھی تھی، چنانچہ نائب متولی حاجی حسین صاحب، حاجی حفظ الرحمٰن ودانش بھائی

تو مسلسل رات تک ساتھ رہے۔مغرب کی نماز کے بعد یہ جانتے ہوئے کہ میں تقریر وخطابت اور منبر ومحراب کا آدمی نہیں ہوں ، میرا بیان رکھ دیا۔نماز کے بعد دیکھا تو تقریباً تمام مصلی اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے اشتیاق ودلچسپی کو دیکھ کر میری طبیعت بھی خوب منشرح ہوئی اور آدھ گھنٹہ سے زائد سیرۃ نبوی پر بیان کیا، میرے بیان کے بعد مفتی خورشید صاحب کی دعا پر یہ مجلس اختتام کو پہنچی۔مولانا مجتبیٰ نے نواب آخون عزیز الٰہی خاںؒ کے تئیں میری شیفتگی دیکھی تو ان کے صاحبزادے نجم خاں صاحب سے فون پر میرا ذکر کیا، تو انھوں نے کہا کہ موسم ٹھیک ہوتا ہے تو میں ملاقات کے لئے آرہا ہوں، لیکن حسن پور سے نکلنے تک بارش کا سلسلہ جاری رہا۔اس لئے نہ تو وہ آسکے اور نہ میں کہیں جاسکا، ان سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔

میں نے مرادآباد مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصوری مدظلہ کو مطلع کردیا تھا کہ میں نے صبح نو بجے تک ان شاءاللہ حاضر ہوجاؤں گا، لیکن بارش کی وجہ سے سارا پروگرام درہم برہم ہوگیا، صبح فجر بعد فوراً مفتی خورشید صاحب کے یہاں ناشتہ کرنا تھا، اور اس کے معاً بعد مرادآباد کے لئے نکلنا تھا، لیکن بارش کی وجہ سے ہم لوگ نو بجے کے بعد ہی حسن پور سے نکل سکے۔مولانا مجتبیٰ صاحب نے ایک گاڑی کی اور اپنے دوست دانش بھائی کے ساتھ رفاقت کی غرض سے ساتھ چلے، راستہ میں ایک جگہ گاڑی خراب ہوئی ، اور ایک جگہ ''پاک بڑا'' یا اسی جیسا کوئی نام تھا، جام میں پھنسے اور ساڑھے گیارہ بجے ہلکان ہوکر کسی طرح لال باغ پہنچے۔

**مرادآباد میں:**

جیسا کہ میں ابتداء میں لکھ چکا ہوں کہ یہ سفر مولانا سید فخر الدین احمد صاحب پر ہونے والے سیمینار کی تیاری کے سلسلہ میں ہوا تھا۔مولانا کا آبائی وطن ہاپوڑ ہے، لیکن نصف صدی تک مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دینے کی وجہ سے مرادآباد آپ کا وطن ثانی بن گیا تھا۔اس لئے میں نے سوچا کہ ایک سفر یہاں کا کرنا چاہئے اور حضرت شیخ

سے متعلق یہاں بہت کچھ معلومات ملنے کی توقع ہے، سفر سے پہلے میں نے مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصوری مدظلہ کو درج ذیل تحریر لکھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرم فرمائے من حضرت مفتی صاحب!

متعنا الله بطول بقائه وبدوام فيوضه

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

مزاج گرامی!

گزشتہ ہفتہ مخدومی مولانا سید محمود صاحب مدنی نے مجھے فون کر کے کہا کہ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب پر ہونے والے سیمینار کے سلسلہ میں اب تک کچھ پیش رفت نہیں ہوسکی ہے، ہمیں اس کے لئے آپ کی خدمات مطلوب ہیں، میں نے ان کو اثبات میں جواب دیدیا ہے، اور ابتدائی کوشش شروع کردی ہے۔ میں اس سلسلہ میں مرادآباد آنا چاہتا ہوں اور وہاں کے کتب خانہ پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ کچھ کام کی چیز مل جائے، اور حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمہ کے سلسلہ میں مدرسہ کے کارروائی رجسٹر وغیرہ میں جو کچھ موجود ہو اسے دیکھنا چاہتا ہوں، اور آپ سے اس پر تبادلۂ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ کا مشورہ، رہنمائی اور تعاون سب کچھ درکار ہے۔

تاریخ شاہی نمبر کی تیاری میں وہاں موجود مواد سب آپ کی نظر سے گزرا ہوگا، اب آپ بتائیں کہ وہاں آنا کس قدر مفید ہوگا، اگلے ہفتہ ہمارے یہاں ششماہی امتحان ختم ہوجائے گا، اس وقت مجھے ایک ہفتہ کی فرصت ہوگی۔ والسلام

مفتی صاحب نے حسب معمول فوراً جواب دیا:

وعلیکم السلام

مرحبا! تشریف لائیں۔

جو بھی تعاون مطلوب ہوگا وہ کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پہلے ایک کام کی فہرست

بنالیں تو بہتر رہے گا۔

مفتی صاحب کا یہ مشورہ بہت مناسب تھا، چنانچہ میں نے ان کو لکھا:

میں دوشنبہ یا منگل کو مرادآباد پہنچوں گا، زیادہ امکان دوشنبہ کا ہے۔ میرے پیش نظر یہ چیزیں ہیں:

۱۔ شیخ نے ایک عرصے تک مدرسہ شاہی میں فتویٰ نویسی بھی کی ہے، ان کے فتاویٰ کا حصول، جو بھی میسر ہو سکے۔

۲۔ ان کی تحریروں کا حصول، جیسا کہ تاریخ شاہی میں آپ نے ان کے قلم کی لکھی ہوئی ایک رپورٹ شائع کی ہے، ہوسکتا ہے کہ کتب خانہ یا مدرسہ کے ریکارڈ اس طرح کی کچھ چیزیں ہوں۔

۳۔ مدرسہ کے کتب خانہ میں شیخ کے رسائل یا ان پر لکھی ہوئی تحریریں۔

۴۔ شیخ کے اولاد و احفاد میں سے کوئی صاحب علم موجود ہوں تو ان سے ملاقات، ممکن ہے کہ کوئی کام کی چیز دستیاب ہو جائے۔

مدرسہ شاہی میں حضرت مفتی صاحب کے علاوہ مفتی محمد اجمل صاحب سے گہرے مخلصانہ مراسم ہیں، میں ان سے برابر رابطہ میں تھا۔ مفتی اجمل صاحب ہمارے اعظم گڈھ سے متصل ضلع امبیڈکر نگر کے رہنے والے ہیں، ۱۳؍سال سے مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، عربی درجات کے ساتھ تکمیل ادب کے گھنٹے بھی ان کے یہاں ہیں، وہاں سے نکلنے والے سالانہ عربی مجلّہ ''**الثقافة الاسلامية**'' کے مدیر بھی ہیں، اردو اور عربی دونوں زبان کے بہترین ادیب ہیں۔

۲۴؍۱۴۲۳ھ (۲۰۰۳ء) میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ مزید پانچ سال تکمیلات میں گذرے۔ دو سال ادب اور تخصص فی الادب میں، تین سال افتاء و تدریب فی الافتاء میں، اخیر کے تین سالوں میں الداعی کی تیاری میں اس کے چیف ایڈیٹر مولانا نور عالم صاحب کے معاون رہے، پروف ریڈنگ اور تصحیح کے کام کے ساتھ **محلیات** اور **انباء الجامعة** لکھتے تھے، اس کے علاوہ اردو مضامین کے ترجمے بھی کرتے

جو مولانا کی نظر ثانی کے بعد الداعی میں شائع ہوتے تھے۔

حسن پور پہنچنے کے بعد میں نے مفتی محمد سلمان صاحب سے کہہ دیا تھا کہ میں نو بجے تک آپ کے یہاں حاضر ہو جاؤں گا، لیکن حسن پور سے نکلنے میں دیر ہوئی، دس بجے کے قریب ان کا فون آیا، تو میں صورتحال بتائی، تو فرمایا کہ میں تو مدرسہ جارہا ہوں آپ پہلے لال باغ پہنچیں، چائے وغیرہ پی کر کتب خانہ سے متعلق جو کام ہیں ان کو دیکھ لیں، میں مفتی اجمل صاحب کو فون کررہا ہوں، دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیں۔ مدرسہ شاہی میں تعلیم دو جگہوں پر ہوتی ہے، دورۂ حدیث اور افتاء کی تعلیم شاہی مسجد اور اس سے ملحق عمارتوں میں، یہیں مدرسہ کا دفتر بھی ہے، یہاں صرف دورہ اور افتاء کے طلباء رہتے ہیں، بقیہ ابتداء سے ہفتم تک لال باغ میں۔ ہم لوگ لال باغ پہنچے تو مفتی اجمل صاحب مدرسہ کے گیٹ پر استقبال کے لئے موجود تھے، مدرسہ کا گیٹ تو واقعی شاہی گیٹ ہے، اس کا نام بھی باب قاسم ہے۔ میں آج سے پندرہ سال قبل مفتی محمد سلمان صاحب کی دعوت پر ۲۰۰۶ء میں یہاں آیا تھا، اِس وقت نقشہ بالکل بدلا نظر آیا، پرانی اور کہنہ وشکستہ عمارتوں کی جگہ اب شاندار قسم کی سہ منزلہ عمارت کھڑی تھی، پرانا نقشہ جو میرے ذہن میں تھا اس کا کہیں اتا پتا نہ تھا۔ مفتی اجمل صاحب ہم لوگوں کو لے کر مہمان خانہ میں گئے، سامان رکھا گیا، پروگرام یہ بنا کہ سیدھے کتب خانہ چلتے ہیں، چائے وہیں پئیں گے، اس دوران کتب ورسائل کی تلاش اور ورق گردانی کا کام بھی ہوتا رہے گا، ارادہ یہ تھا کہ ظہر تک اس کام سے فارغ ہو جائیں، میں اور مولانا مجتبیٰ سلّمہٗ مفتی اجمل صاحب کی رہنمائی میں کتب خانہ پہنچے، کتب خانہ کی عمارت بڑی شاندار ہے لیکن مدرسہ شاہی کی اہمیت ووقعت اور اس کی قدامت کے لحاظ سے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہاں قدیم رسائل وجرائد اور دیگر مراجع کی کثرت اور منظّم انداز کا کتب خانہ ہوگا، لیکن یہ میرے تصورات کے برعکس نظر آیا، ایسا محسوس ہوا کہ اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں ہو پائی ہے، اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ ابھی حال ہی میں یہ پرانی جگہ سے منتقل ہو کر یہاں آیا ہے اس لئے ترتیب وتنظیم کی کمی ہے، بہرحال اس کی جانب

خاص توجہ کی ضرورت ہے، اس لئے کی کتب خانہ ہی ادارہ کی جان ہوتا ہے۔ ناظم کتب خانہ ہم لوگوں کے منتظر تھے، ایک نظر کتب ورسائل کی فہرست پر ڈال کر میں رسائل والے حصہ کی طرف چلا گیا، مفتی اجمل صاحب نے چند طلباء کو ساتھ کر دیا، میں نے ان سے کہا کہ ان تمام قدیم رسائل کی فہرست دیکھ ڈالو، مولانا فخر الدین صاحب کے تعلق سے جو بھی تحریر نظر آئے اسے نوٹ کرلو، جب ہم لوگ کتب خانہ میں پہنچے تو چھٹی ہو چکی تھی ، مفتی اجمل صاحب اور ان بچوں نے اپنے آرام کے وقت کو قربان کر کے میری معاونت کی ، یہاں جو کچھ ذخیرہ تھا اس میں کوئی نئی چیز ہاتھ نہ آئی، اکثر چیزیں پہلے سے میری دسترس میں تھیں۔ ظہر تک ہم لوگوں نے امکان بھر تمام چیزوں کو دیکھ ڈالا، اللہ تعالیٰ مفتی اجمل صاحب کو جزائے خیر دے ان کی اور ان کے طلباء کی معاونت کی وجہ سے کام بہت جلد نمٹ گیا، ورنہ سارا دن اسی میں چلا جاتا اسی دوران چائے بھی پی گئی، مفتی اجمل صاحب کے یہاں علم اور انتظام دونوں کا بڑا خوبصورت اجتماع دیکھا۔

علم حدیث کے ساتھ علم الفرائض بھی حضرت شیخ کی دلچسپی کا خاص موضوع تھا، مدرسہ شاہی میں آنے والے استفتاء جن کا تعلق میراث اور فرائض سے ہوتا اس کا جواب لکھنے کے لئے مولانا سید محمد میاں صاحب آپ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے، حضرت شیخ کے شاگرد رشید مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے کہ علم الفرائض پر ان کا ایک منظوم رسالہ ہے، مجھے اس رسالہ کی تلاش تھی ، لیکن اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ اس مضمون کو پڑھنے والے حضرات اگر اس سلسلہ میں کچھ رہنمائی فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔ ظہر تک کتب خانہ کی اکثر چیزیں دیکھ لیں۔

نماز کے بعد حضرت مفتی محمد سلمان صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، جو لال باغ مدرسہ سے چند منٹ کی مسافت پر ہے۔ مفتی صاحب سے تعارف وشناسائی دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ سے ہے، پہلی بار ان کی کتاب ''رموز ائیت کے زریں اصول'' کے ذریعہ ان کے نام سے واقف ہوا، اس وقت غالباً درجہ حفظ میں زیر تعلیم تھا۔ فارسی پڑھنے

کے زمانہ میں ماہنامہ ندائے شاہی کا مشہور زمانہ ''تاریخ شاہی نمبر'' شائع ہوا، اس نمبر سے اس طرح دلچسپی پیدا ہوئی کہ استاذ الاساتذہ مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری (صدر المدرسین مدرسہ منبع العلوم خیر آباد) جو مدرسہ شاہی کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، انھوں نے اس نمبر کے لئے مدرسہ شاہی کا ایک ترانہ لکھا تھا، وہاں بھیجنے سے پہلے میں نے اسے پڑھ لیا تھا، مولانا مرحوم کو اس نمبر کا بڑی شدت سے انتظار تھا، جب وہ نمبر ان کے پاس آیا تو تذکرہ وتاریخ سے فطری دلچسپی کی وجہ سے اسے مکمل پڑھا اور اپنے لئے بھی منگایا، میرے نسخہ پر (جون ۱۹۹۳ء) کی تاریخ درج ہے۔ اسے پڑھ کر دل میں حضرت مفتی صاحب کی بڑی قدر ہوئی۔ پھر بعد میں گاہے بگاہے دہلی میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان کی سادگی، وفور علم اور علم وعمل کی جامعیت سے میں ہمیشہ متاثر رہا، اور میرا دل ان کی قدر وعظمت اور محبت سے معمور رہا۔ جب انھوں نے ندائے شاہی کا نعت النبی نمبر شائع کیا تو مجھے لکھا کہ مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری کا کلام بھیجئے، ان کی نعتوں کو بھی شامل کرنا ہے، چنانچہ میں نے ان کا مجموعہ کلام ''نور وسرور'' بھیجا، مفتی صاحب نے کام ختم ہونے کے بعد پوری ذمہ داری کے ساتھ رجسٹرڈ ڈاک سے مجھے واپس کر دیا۔ ان کی دعوت پر ۲۰۰۶ء میں مرادآباد حاضر بھی ہوا، مجھے کسی مصروف شخصیت سے فون پر بات کرنے میں ہمیشہ حجاب رہا، کہ نہ معلوم کس کام میں مشغول ہوں، اس لئے فون پر کبھی رابطہ نہ رہا، لیکن جب واٹس اپ کا دور آیا تو میں مسلسل ان سے رابطہ میں رہا۔ مسئلے مسائل میں، تحریر کے سلسلہ میں اور دیگر امور میں واٹس اپ پر اپنی بات لکھ دیتا ہوں، مفتی صاحب جب اسے دیکھتے ہیں تو فوراً جواب دیتے ہیں، اس گفتگو کا ایک نمونہ اس تحریر کی ابتداء میں موجود ہے۔ سفرنامہ پڑھنے والے بھی سوچ رہے ہوں گے کہ یہ سفرنامے کی کون سی قسم ہے جس میں احوال سفر سے زیادہ شخصیات سفر پر قلم چل رہا ہے، لیکن کیا کروں یہ شخصیات بھی تو اسی کا ایک حصہ ہیں، بہر حال اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے پھر احوال سفر پر آتا ہوں۔

ظہر کی نماز پڑھ کر مولانا مجتبیٰ صاحب کو لے کر حضرت مفتی صاحب کے گھر پہنچا تو

ان کے صاحبزادے مفتی ابوبکر نے ہم لوگوں کا استقبال کیا، اور مہمان خانہ میں لے آئے، مکان کی پہلی منزل پر رہائش ہے، زیریں حصہ کتب خانہ اور مہمان خانہ پر مشتمل ہے۔ چند منٹ میں مفتی صاحب تشریف لائے، مصافحہ ومعانقہ کے بعد خیر خیریت دریافت کی، کتب خانہ میں جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل معلوم کی۔ اس دوران مفتی ابوبکر نے دسترخوان لگایا، مفتی صاحب کھانے کے دوران سفر کی تفصیلات معلوم کرتے رہے، انھوں نے بہترین ضیافت کی اور میری حیثیت سے بہت زیادہ میرا اکرام کیا، **جزاہ اللہ احسن الجزا** ۔کھانے کے بعد مفتی صاحب نے اگلے پروگرام کے بارے میں پوچھا، میں نے کہا کہ میں حضرت شیخ کے پوتوں سے ملنا چاہتا ہوں، تو فرمایا کہ مفتی اجمل صاحب کو لے کر مفتی الطاف الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم سے مل لیں، وہ اسی مکان کے ایک حصہ میں رہتے ہیں جس میں حضرت کے اہل خانہ رہتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی اور مفتی شبیر صاحب سے بھی مل لیں، میں نے کہا کہ ان حضرات سے ملاقات میرے پروگرام میں شامل ہے۔ اس کے بعد میں نے واپسی کی اجازت چاہی تو کہنے لگے کہ یہ آپ کا گھر ہے، کسی قسم کا تکلف نہ کریں، جب چاہیں آجائیں، میں تو چاہتا تھا کہ قیام وطعام دونوں یہیں رہے، میں نے کہا کہ مدرسہ کے قیام میں زیادہ سہولت اور آزادی ہے، تو کہا کہ تب قیام وہاں کریں لیکن طعام یہیں رہے گا، رات کا کھانا کس وقت کھائیں گے؟ میں نے کہا کہ سفر میں کوئی معمول نہیں رہتا، عشاء کی نماز کے بعد حاضر ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد مدرسہ آ گیا اور مفتی اجمل صاحب سے عصر بعد کا پروگرام بتایا اور مہمان خانہ میں جا کر دراز ہو گیا۔

کھانے کے بعد لیٹنے کی عادت ہے، میں حسب عادت لیٹنے کو لیٹ تو گیا لیکن میرے ذہن میں مولانا فخر الدین صاحب سے متعلق قاضی اطہر مبارکپوری کی یہ بات مسلسل گردش کرتی رہی ''کہ علم الفرائض پر ان کا ایک منظوم رسالہ ہے۔'' کچھ دیر آرام کر کے اٹھا اور کتب خانہ پہنچ گیا، فقہ سے متعلق پوری فہرست دیکھ ڈالی، لیکن اس رسالہ کا

کوئی سراغ نہیں ملا۔اسی دوران مفتی اجمل صاحب بھی کتب خانہ میں آ گئے ،اس وقت ان کے بھائی مفتی عبدالقدوس صاحب اور ان کے دوست مولانا ثاقب صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے مفتی اجمل بہت مصروف تھے،عصر بعدان کواپنے بھائی کے ساتھ مولانا خورشید انور صاحب کے یہاں جانا تھا،اور یہی وقت مفتی الطاف الرحمٰن صاحب سے ملاقات کا بھی تھا،اس لئے کہ وہ قریب ہی ایک مسجد کے امام ہیں اور عموماً عصر کی نماز میں ضرور موجود ہوتے ہیں ۔مفتی اجمل صاحب نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا ، چنانچہ عصر کی نماز سے کچھ پہلے ہم مفتی الطاف صاحب کی مسجد میں پہنچ گئے ،معلوم ہوا کہ آج کل ان کی طبیعت خراب چل رہی ہے، اس لئے مسجد نہیں آتے ہیں ۔ نماز کے بعد مفتی اجمل صاحب کے ایک دوست کی معیت میں مفتی صاحب کے یہاں پہنچے ،انھوں نے بتایا کہ حضرت شیخ کے دو پوتے ماسٹر سعید اور نظام الدین صاحبان ہیں،آپ لوگ ان سے مل لیں ، اتفاق سے گھر پر یہ لوگ موجود نہ تھے، ماسٹر سعید صاحب کا موبائل نمبر حاصل کر کے ان سے بات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ مرادآباد سے باہر سفر پر ہیں، تین چار روز میں واپسی ہوگی ،مفتی اجمل صاحب نے ان سے ملاقات کی غرض بتائی تو انھوں نے کہا کہ واپسی پر ملاقات کیجئے ، داداجان کی کچھ چیزیں موجود ہیں، جو آپ کے کام کی ہوں لے لیں۔

وہاں سے ہم لوگ سیدھے مولانا خورشید انور صاحب کے یہاں پہنچے ،مولانا موصوف استاذی مولانا حکیم محمد احمد صاحب کے بھتیجے ہیں ، اور مدرسہ شاہی کے مقبول اساتذہ میں سے ہیں ،یہیں مفتی عبدالقدوس صاحب ،مولانا ثاقب صاحب اور مولانا مجتبیٰ سلّمہٗ تھے ، چائے کے ساتھ زوردار ’’ وائے‘‘ کا انتظام بھی تھا،مغرب سے کچھ پہلے یہاں سے اٹھے،لال باغ سے قریب ایک مسجد ہے،مفتی اجمل صاحب نے کہا کہ مغرب کی نماز وہیں پڑھیں گے،مسجد سے متصل ایک احاطہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا فخرالدین احمد صاحب کی قبر ہے ، وہاں بھی حاضری ہوجائے گی ۔مولوی مجتبیٰ سلّمہٗ کو اسی وقت حسن پور واپس جانا تھا، وہ ڈرائیور کے انتظار میں تھے،اس لئے ساتھ نہیں گئے ۔اذان سے چند منٹ

پہلے مسجد پہنچے، مفتی اجمل صاحب نے بتایا کہ یہ مسجد بھی مدرسہ کے شاہی کے زیر انتظام ہے ، پہلے ایک زمانہ تک اسی میں پڑھائی ہوتی تھی ، مسجد اچھی خاصی وسیع اور کشادہ ہے، اس وقت مسجد میں تعمیراتی کام چل رہا ہے، مسجد جتنی بن چکی ہے، اس میں سادگی کا عنصر غالب ہے، لیکن اس سادگی میں بھی غضب کا حسن ہے۔ اذان سے پہلے حضرت شیخ کی قبر پر حاضر ہوئے ، قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے جس پر نام اور تاریخ وفات درج ہے، ان کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی۔ اس احاطہ میں چند قبریں اور ہیں، معلوم ہوا کہ یہ مرادآباد کے مشہور تاجر اور دارالعلوم دیوبند کے سابق رکن شوریٰ حافظ محمد صدیق صاحب کا خاندانی قبرستان ہے، خود حافظ صاحب بھی اسی خطۂ صالحین میں مدفون ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد لال باغ واپس آئے ، اب مہتمم مدرسہ شاہی مولانا سید اشہد رشیدی صاحب سے ملاقات کا مرحلہ تھا، مغرب کی نماز کے کچھ دیر بعد اپنے معمولات پورا کرنے کے بعد جب وہ مسجد سے نکلے تو مفتی اجمل صاحب نے ملاقات کرائی ، مہتمم صاحب بڑی خوش اخلاقی اور توجہ کے ساتھ ملے، اور فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحب کے سلسلہ میں آپ کا ہر ممکن تعاون کیا جائے گا، انھوں نے کہا کہ کل شاہی مسجد مدرسہ کے دفتر میں تشریف لائیں، وہاں جو کچھ ریکارڈ محفوظ ہے اسے دیکھ لیں، انھوں نے بتایا کہ شوریٰ کی تجاویز والے رجسٹر میں شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا وہ تفصیلی خط بھی موجود ہے جو انھوں نے اپنی بیماری حالت میں مدرسہ شاہی کے اراکین شوریٰ کے نام لکھا تھا، جس میں اراکین شوریٰ سے انھوں نے یہ درخواست کی تھی کہ مولانا سید فخر الدین صاحب کو میری علالت کی وجہ سے بخاری شریف پڑھانے کے لئے دیوبند بھیج دیا جائے۔ مہتمم صاحب سے میری یہ پہلی ملاقات تھی ، جس خندہ جبینی سے وہ ملے اس کا خوشگوار اثر اب بھی دل پر قائم ہے، بوقت رخصت دریافت کیا کہ قیام وطعام کہاں ہے ، میں نے کہا کہ قیام یہیں مہمان خانہ میں ہے اور طعام مفتی سلمان صاحب کے یہاں ، مسکرا کر کہنے لگے کہ یہ تو مناسب نہیں جہاں قیام ہو وہیں طعام کا بھی حق ہے، میرا گھر بھی یہیں ہے، میں نے کہا کہ

حضرت نظام تو پہلے سے طے ہو چکا ہے۔مہتمم صاحب سے مل کر مہمان خانہ میں آ گیا۔کل کی طرح آج بھی دن کے بیشتر اوقات میں بارش ہوتی رہی۔عشاء کے بعد مفتی محمد سلمان صاحب کے یہاں حاضر ہوا، وہ مولانا اسجد صاحب مظفر نگری کے ساتھ کمپیوٹر پر بیٹھے ہوئے اپنے تصنیفی کام میں مشغول تھے، مجھ سے عصر بعد سے اب تک کی روداد معلوم کی کہ کن لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور کیا کام ہوا؟ میں نے تفصیلات سے آگاہ کیا تو اس پر اطمینان کا اظہار کیا، اور اپنے صاحبزادے مفتی ابوبکر سے کہا کہ دستر خوان لگاؤ، اور مجھ سے کہا کہ میں کام سے فارغ ہوکر کچھ دیر میں کھانا کھاؤں گا، میں نے مفتی ابوبکر کے ساتھ کھانا کھایا، یہیں کتاب النوازل کے مرتب مفتی محمد ابراہیم غازی آبادی سے ملاقات ہوئی۔کھانے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے صبح کے ناشتہ کے بارے میں دریافت کی ناشتہ کب کریں گے، میں نے کہا کہ ناشتہ مولانا محمد اسجد صاحب مہتمم مدرسہ امدادیہ کے یہاں کرنا ہے اور دوپہر کا کھانا مفتی اجمل صاحب کے یہاں ہے۔میں نے کہا کہ میں صبح دس بجے تک ان شاء اللہ مدرسہ شاہی حاضر ہو جاؤں گا، وہاں سے میں مہمان خانہ آ گیا، دن بھر کا تھکا ہوا جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

**مدرسہ شاہی و مدرسہ امدادیہ میں:**

مرادآباد آنے سے پہلے میں نے اپنے فاضل دوست، ملک کے ممتاز خطیب ومقرر، صاحب تصانیف کثیرہ، مدرسہ امدادیہ مرادآباد کے مہتمم وشیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی کو فون کر کے اپنے پروگرام سے مطلع کیا، انھوں نے بتایا کہ دوشنبہ کی رات ایک پروگرام میں مصروف ہوں، منگل کی صبح ملاقات ہوگی اور ناشتہ ہمارے ساتھ کریں۔مہمان خانہ میں پہنچنے کے بعد مولانا اسجد صاحب کا فون آیا کہ صبح آپ کو لینے کے لئے ایک صاحب کو بھیج رہا ہوں، فجر بعد تیار رہیں۔نماز کے بعد ان کے مدرسہ کے ایک مدرس مولوی وحید صاحب بائیک لے کر پہنچے۔مدرسہ امدادیہ میں بھی مدرسہ شاہی کی طرح دو جگہ تعلیم ہوتی ہے، قدیم مدرسہ شہر کے اندر ہے جہاں عربی پنجم سے دورۂ حدیث

تک تعلیم ہوتی ہے، دوسرا شہر سے چندکلومیٹر کے فاصلہ پر ہائی وے [رام پور روڈ] پر ہے، یہاں درجات حفظ سے عربی چہارم تک تعلیم ہوتی ہے۔ مولانا اسجد صاحب کا مکان شہر سے باہر والے مدرسہ سے متصل ہے۔ صبح کا وقت تھا، ابھی شہری ہنگامے کا آغاز نہیں ہوا تھا، اس لئے چند منٹ میں ہم مولانا کے مکان پر پہنچ گئے، مولانا نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا، اور اس اچانک آمد پر بڑی مسرت کا اظہار کیا، وہ مجھے کئی سالوں سے مرادآباد آنے کی دعوت دے رہے ہیں لیکن کوئی نہ کوئی مانع پیش آتا رہا جس کی وجہ سے سفر ممکن نہ ہوسکا۔ ماشاء اللہ مکان نہایت کشادہ اور شہر کی آلودہ وکثیف فضا سے دور کھلی جگہ میں واقع ہے، مجھے ان کے مکان اور مدرسہ کا محل موقع بہت پسند آیا۔ مولانا اسجد صاحب ہمارے دیار کے ممتاز عالم، حضرت شیخ الاسلامؒ کے تلمیذ رشید مولانا باقر حسین صاحبؒ (مہتمم مدرسہ امدادیہ وبانی ومہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی) کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، ابتدائی تعلیم بستی میں ہوئی، فضیلت کی تکمیل ۱۹۹۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے کی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تخصص فی الادب کیا، اور لکھنؤ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ چند سال دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد جب مولانا معین الدین صاحب گونڈوی شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ کا انتقال ہوا تو ان کے والد محترم نے انھیں مرادآباد بھیج دیا، یہ غالباً ۲۰۰۵ء کی بات ہے، تب سے یہ یہاں دیگر کتابوں کے ساتھ بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں، ۲۰۱۱ء سے اہتمام کی ذمہ داری بھی سنبھال رہے ہیں۔ تدریس، تقریر اور تصنیف تینوں میدانوں میں ان کی کارکردگی کے نقوش نمایاں اور روشن ہیں، عربی اور اردو دونوں میں بےتکلف لکھتے رہتے ہیں، فارسی زبان پر بھی اچھا عبور رکھتے ہیں۔ چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد دو درجن کے قریب ہوگی، سیرت پر ان کی کئی اہم کتابیں ہیں۔ میرے بڑے کرم فرماؤں میں سے ہیں، مجھے ان سے خاص قلبی لگاؤ ہے۔

ناشتہ کے بعد مولانا نے اپنے ذاتی کتب خانہ کی سیر کرائی، جہاں تفسیر وحدیث اور فقہ کی اعلیٰ درجہ کی کتب کے ساتھ اردو ادب کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، یہ کتب خانہ

مولانا کے اعلیٰ اور متنوع ذوق کا عکاس ہے۔ مولانا فخر الدین صاحب پر ہونے والے سیمینار کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو ہوئی، مولانا نے مقالہ لکھنے اور ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا۔
یہاں سے فارغ ہوکر مدرسہ پہنچے، جو ایک وسیع قطعۂ اراضی پر واقع ہے، تقریباً ۴۲؍بیگھہ زمین مدرسہ کے پاس ہے، مدرسہ کا قیام ۱۸۸۱ء میں عمل آیا، دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اس کے بانی ہیں، اور ڈپٹی امداد علی اکبرآبادی نے اس کے لئے اپنی زمین وقف کی، غالبًا انھیں کے نام پر اس کا نام امدادیہ رکھا گیا ہے، مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے لکھا ہے کہ ان کی تعلیم شرح جامی تک اسی مدرسہ میں ہوئی، اور یہیں سے وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے۔ اصل مدرسہ، مدرسہ شاہی مسجد سے بالکل متصل ہے، بلکہ اس کی شمالی اور مدرسہ شاہی کی جنوبی دیوار مشترک ہے، اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند، حضرت حکیم الامت، حضرت شیخ الاسلام، حضرت حکیم الاسلام اور مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسی عظیم شخصیات رہی ہیں۔ ۱۹۳۷ء کے آس پاس یہاں دورۂ حدیث قائم ہوا جو تسلسل کے ساتھ اب تک قائم ہے، اس وقت دورۂ حدیث میں ۶۵؍ طلبہ ہیں۔ مولانا اسجد صاحب کے والد مولانا باقر حسین صاحب ۱۹۷۱ء میں اس کے مہتمم بنائے گئے، انھوں نے مدرسہ کو کافی وسعت دی، چونکہ شہر میں مدرسہ کو بڑھانے کی کوئی گنجائش نہ تھی، اس لئے انھوں نے ایک طویل وعریض قطعہ زمین شہر سے باہر آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے خرید لیا تھا جس میں اس وقت ایک عظیم الشان مسجد، درسگاہیں اور اساتذہ کے لئے رہائشی مکانات ہیں، زمین کا بیشتر حصہ ابھی خالی ہے جو آگے چل کر ان شاء اللہ بہت سے تعلیمی پروجیکٹ کا حصہ بنے گا۔ مدرسہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد میں مدرسہ شاہی روانہ ہوگیا۔

پونے دس بجے وہاں پہنچا، مجھے اس وقت وہاں کے دارالافتاء کی ایک فعال شخصیت مولانا کلیم اللہ صاحب سے ملاقات کرنی تھی۔ مفتی محمد سلمان صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ مولانا سید فخر الدین صاحب کے جو فتاویٰ رجسٹر میں محفوظ ہیں وہ مجھے دیدیں

۔مدرسہ شاہی میں دارالافتاء کا قیام مولانا سید فخر الدین صاحب کے ذریعہ عمل میں آیا، ان کے آنے سے پہلے جو استفتاء آتے تھے اسے دیو بند بھیج دیا جاتا تھا، جب مولانا یہاں آئے تو استفتاء کا جواب لکھنا شروع کیا، لیکن اس زمانے میں اس کا کوئی منضبط نظام نہ تھا، نہ فتاوے کو نقل کرنے کا اہتمام تھا، اس لئے اس زمانے کے فتاویٰ موجود نہیں ہیں۔مولانا سید محمد میاں صاحب جب یہاں مدرس ہو کر آئے تو انھوں نے دارالافتاء کو منظّم کیا اور فتاویٰ کے نقول رکھنے کا اہتمام کیا۔ وہ اور مولانا عجب نور صاحب مدرسہ کے مستقل مفتی تھے، متعدد رجسٹروں میں ان دونوں حضرات کے فتاوے موجود ہیں۔مولانا محمد میاں صاحب فرائض سے متعلق استفتاء کو کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے، اور ان کے جواب کو رجسٹر میں محفوظ کر دیتے تھے، اس طرح مولانا محمد میاں صاحب والے رجسٹر میں آٹھ دس فتاوے حضرت شیخ الحدیث کے موجود ہیں جو ایک کے علاوہ سب فرائض سے متعلق ہیں، مولانا کلیم اللہ صاحب نے ان کو تلاش کر کے نشان زد کر لیا تھا۔میں سیدھا دارالافتاء پہنچا اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے ملاقات کی، کچھ دیر میں حضرت مفتی سلمان صاحب بھی تشریف لائے، ان سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد مولانا کلیم اللہ صاحب مجھے لے کر ایک کمرے میں گئے جہاں نقول فتاویٰ کے رجسٹر رکھے ہوئے تھے، اس میں سے دو رجسٹر میرے حوالہ کیا، میں نے حضرت شیخ کے تمام فتاوے کا عکس لے لیا، اس دوران مولانا نے عمدہ قسم کی چائے سے ضیافت کی اور اپنی کتاب ''اصلاحی مضامین'' جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے عنایت کی، جس پر ان کا بے حد ممنون ہوں۔

اب دوسرا کام مدرسہ کے ریکارڈ کو دیکھنا تھا، میں مولانا کلیم اللہ صاحب کے ساتھ دفتر اہتمام میں حاضر ہوا، مہتمم صاحب نے بتایا کہ نائب مہتمم مولانا عبدالناصر صاحب کے پاس اس الماری کی کنجی ہے جس میں ریکارڈ والے رجسٹر رکھے ہیں اور آج مولانا کے کسی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ جنازہ میں شرکت کے لئے گئے ہوئے ہیں، وہ ظہر کے بعد آئیں گے، یہ سن کر میں مشکل میں پڑ گیا، سوا پانچ بجے سہارنپور کے لئے میری ٹرین تھی

، میں نے مہتمم صاحب سے کہا کہ جب نائب مہتمم آجائیں تو وہ مجھے مطلع کردیں میں اسی وقت آجاؤں گا تاکہ جتنا ممکن ہوگا میں ان رجسٹروں کو دیکھ لوں، مہتمم صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔اسی دوران مفتی اجمل صاحب بھی آگئے کہ مدرسہ کے ریکارڈ سے وہ اپنے مقالہ سے متعلق ضروری چیزیں نوٹ کرلیں، لیکن یہاں تو کچھ اور ہی صورت پیش آچکی تھی۔ کچھ دیر مہتمم صاحب کے پاس رہا، اس دوران انھوں نے حضرت شیخ کے بارے میں کئی باتیں بتائیں۔ کہنے لگے کہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کو اپنے استاذ مولانا سید فخر الدین صاحب سے خاص تعلق تھا، جب وہ مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے تو ان کا یہ معمول تھا کہ عصر بعد حضرت شیخ کے مکان پر جاتے، ان کے بچوں سے خیریت دریافت کرتے اور کچھ دیر میں واپس ہوجاتے، اگرکوئی نہ ملتا تو گھر میں سلام کہلوا کر واپس آجاتے۔ جب حضرت شیخ کے صاحبزادے حکیم معین الدین صاحب ریٹائر ہوکر مرادآباد آگئے اور اپنا مطب کھول لیا تو مولانا عصر بعد کچھ دیر وہاں جاکر بیٹھتے تھے، یہ حال تھا ان کا اپنے استاذ کے تئیں کہ ان کے بعد ان کی اولاد واحفاد کے یہاں حاضری کا معمول تھا۔ میں نے مہتمم صاحب سے عرض کیا کہ آپ اپنی ان معلومات کو قلم بند کردیں تو بہت بہتر ہوگا۔

دارالاہتمام سے ہم لوگ دارالافتاء آئے، مفتی شبیر احمد صاحب سے ملاقات کرنی تھی، وہ دورۂ حدیث کے طلباء کو سبق پڑھا رہے تھے، تھوڑی دیر میں وہ آگئے، ان سے ملاقات کرکے اپنی آمد کی غرض بتائی اور مقالہ لکھنے کی درخواست کی جسے انھوں نے منظور کرلیا۔ کچھ دیر ان کی گراں قدر باتوں سے مستفید ہوتا رہا، اس کے بعد واپسی کی اجازت چاہی، ان سے اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے مل کر مفتی سلمان صاحب کی خدمت میں پہنچا، واپسی کی اجازت طلب کی، انھوں نے مصافحہ ومعانقہ اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، اور اسی وقت اپنی تازہ کتاب ''علماء اور طلبہ کے لئے فکر انگیز اور کارآمد باتیں'' اپنے دستخط کے ساتھ عطا کی، اور فرمایا کہ بہت دنوں کے بعد آپ یہاں آئے ہیں اب آئندہ آتے رہیں، حضرت مفتی صاحب نے اس سفر میں جس شفقت وعنایت اور کرم کا معاملہ فرمایا اس

پر تہ دل سے ان کے لئے دعائیں ہیں، ان کی توجہ اور دلچسپی کی وجہ سے سارے امور بہت آسان ہوگئے۔ جزاہ اللہ خیراً

دارالافتاء مدرسہ شاہی سے نکل کر میں مولانا محمد اسجد صاحب کے پاس مدرسہ امدادیہ پہنچا، یہ مدرسہ کی قدیم عمارت ہے، مدرسہ شاہی کا دروازہ جنوب کی طرف ہے اور اس کا مغرب کی جانب، باقی دونوں جڑواں عمارتیں ہیں، درمیان میں صرف ایک دیوار حائل ہے، مدرسہ میں پہنچا تو چھٹی ہوچکی تھی، مولانا دفتر اہتمام میں موجود تھے۔ دوپہر کا کھانا مفتی اجمل صاحب کے یہاں تھا، مولانا اسجد صاحب کو بھی انھوں نے مدعو کر رکھا تھا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر ہم لوگ لال باغ پہنچے، مفتی اجمل صاحب نے تکلف کی حد تک اہتمام کر رکھا تھا، امکانی حد تک ان کی محنت اور اکرام کا حق ادا کرنے کی کوشش کی گئی۔ کھانے سے فارغ ہوکر مفتی اجمل صاحب سے الوداعی ملاقات کرکے مدرسہ امدادیہ پہنچ گئے، مولانا دفتر میں چلے گئے اور میں مہمان خانہ میں جا کر لیٹ گیا، اب انتظار تھا کہ شاہی کے دفتر اہتمام سے اطلاع ملے تو جا کر اپنی مطلوبہ چیزیں دیکھوں۔ تین بجے مولانا عبدالجلیل صاحب کا فون آیا اور میں فوراً دفتر پہنچا، مولانا عبدالجلیل صاحب اور نائب مہتمم مولانا عبدالناصر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سب سے پہلے شوریٰ کی تجاویز اور کارروائی رجسٹر دیکھنا شروع ہوا، یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ ۱۳۰۰ھ سے اب تک کا تجاویز، قبض الوصول اور حاضری کا رجسٹر موجود ہے۔ میرے پاس وقت بہت کم رہ گیا تھا، میں نے سب کو دیکھنا شروع کیا، میں نائب مہتمم صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ وہ بذات میری معاونت کرتے رہے، بہت سی چیزیں انھوں نے خود نوٹ کرکے دی، کسی خاص رجسٹر یا کاغذ کی ضرورت محسوس ہوئی تو فوراً محافظ خانہ سے نکلوایا، اس کی مدد سے حضرت شیخ کے بارے میں بہت سی اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ لیکن حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا وہ مفصل مکتوب جس کا ذکر مہتمم صاحب نے کیا تھا وہ نہ ملا، میں عصر کی جماعت تک مسلسل اپنے کام میں مصروف رہا، اس دوران نائب مہتمم سمیت پورے دفتر کا سرگرم تعاون مجھے حاصل رہا، ان حضرات نے

چائے بھی پلائی۔ میری ٹرین لکھنؤ کے بعد ایک ایکسڈنٹ کے نتیجہ میں دو گھنٹے لیٹ ہوگئی، اس لئے آرام سے عصر کی نماز شاہی مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد میرے عزیز دوست مفتی شاہنواز اعظمی (منگراواں) کے صاحبزادے علقمہ سلّمہٗ ان کے دوست عبداللہ جمیل اور ایک گورکھپوری طالب علم اسامہ عزیز سے ملاقات ہوئی، یہ تینوں یہاں دورۂ حدیث کے طالب علم ہیں، مولانا عبدالناصر صاحب نے تواضع وکرم کی انتہا کردی، مجھے باہر تک رخصت کرنے آئے۔ یہاں سے چند قدم چل کر مدرسہ امدادیہ پہنچ گیا، مولانا اسجد صاحب منتظر تھے، میں نے بتایا کہ ٹرین لیٹ ہے، اب مغرب پڑھ کر نکلنے کا ارادہ ہے، کہنے لگے کہ آپ چاہے جب نکلیں میں آپ کو رخصت کرکے ہی گھر جاؤں گا، ان کی اس محبت پر دل سے دعائیں نکلیں۔

## سہارن پور میں:

مغرب پڑھ کر مدرسہ امدادیہ سے نکلے، مولانا نے ایک طالب علم کو ساتھ کردیا کہ وہ ٹرین پر سوار کراکے مدرسہ آئے، اسٹیشن پہنچنے کے بعد جیسے ہی عشاء کا وقت ہوا اول وقت میں عشاء کی نماز پڑھ لی، اس لئے کہ کبھی کبھار ٹرین میں بھیڑ کی وجہ سے دقت ہوجاتی ہے۔ ٹرین مزید ایک گھنٹے لیٹ ہوگئی تو میں نے اس طالب علم کو مدرسہ بھیج دیا، اس نے کہا کہ شیخ صاحب نے کہا ہے کہ ٹرین پر سوار ہونے کے بعد واپس آنا، میں نے کہا کہ جاؤ میں مولانا سے بات کرلوں گا تب وہ واپس ہوا۔ ٹرین آٹھ بجے سے کچھ پہلے آئی اور آٹھ بجے روانہ ہوئی۔ مرادآباد سے سہارن پور تک اس ٹرین کا کوئی اسٹاپ نہیں تھا، اس کے لائیو اسٹیٹس سے معلوم ہورہا تھا کہ گیارہ بجے تک یہ سہارن پور پہنچ جائے گی، وہاں میرے میزبان مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی (مدیر ماہنامہ مظاہر علوم) مسلسل رابطہ میں تھے، ٹرین ۸؍بجے روانہ تو ہوگئی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے چلتی کم ہے اور رکتی زیادہ ہے، بلا مبالغہ بیسوں جگہ رکی ہوگی، نتیجۃً ساڑھے بارہ بجے سہارن پور پہنچی، اس تاخیر کی وجہ سے میرے میزبان اور ان کے متعلقین کو کافی زحمت ہوئی، لیکن میرے لئے اس شر سے خیر کا پہلو یہ نکلا کہ میں نے مفتی

سلمان صاحب کی کتاب ''علماء اور طلبہ کے لئے فکر انگیز اور کارآمد باتیں'' کا بیشتر حصہ دیکھ ڈالا، واقعی یہ کتاب طلبہ اور علماء کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ہے، سفر نامہ سے فرصت ملے تو اس پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔سہارنپور پہنچا تو مولانا عبداللہ خالد اپنے صاحبزادے فرحان سلّمہٗ اور اپنے ایک دوست کے ساتھ گاڑی لے کر موجود تھے، اللہ تعالیٰ ان کو اس محبت پر اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص کرم یہ ہے کہ اس نے مجھے ایسے محبین سے نوازا ہے جو مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی، میرے بچپن کے دوست، رفیق درس اور استاذ زادے ہیں، بڑی خوبیوں اور کمالات کے حامل ہیں۔بہترین ادیب، اچھے خطیب، عمدہ شاعر اور لائق منتظم ہیں۔مطالعہ کے سلسلہ میں ان کا مجھ پر ایک بڑا احسان ہے، جس کا ذکر کرتے ہوئے میں نے ''النخیل'' کراچی کے مطالعہ نمبر میں لکھا ہے:

> مطالعہ کی راہ میں میرے سب سے پہلے محسن میرے عزیز دوست مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم سہان پور ہیں، انھوں نے ہی مجھے بالکل بچپن میں لائبریری کی راہ دکھائی اور اسی راہ سے میں مطالعہ کی وسیع شاہراہ پر پہنچا"۔

۱۹۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، چند سال فیض العلوم شیرواں (سرائمیر) اور احیاء العلوم مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۰۱ء میں بحیثیت مدیر ماہنامہ مظاہر علوم، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے، تب سے اب تک یہیں مصروف خدمت ہیں۔اگر مولانا عبداللہ خالد صاحب خالص علمی مشاغل میں لگتے تو جیسی ان کی صلاحیت ہے ان کا فیضان بہت عام ہوتا، لیکن ادارت کے ساتھ تنظیمی امور کے گرد وہ محصور ہوتے چلے گئے، جامعہ نے ان کی تنظیمی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور اس وقت وہ مغربی یوپی اور ہریانہ وپنجاب کے مدارس ومکاتب کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

اسٹیشن سے چل کر دس منٹ میں مولانا عبد اللہ خالد کے گھر پہنچ گئے اس وقت پونے ایک بج رہے تھے، کھاتے اور سوتے دو بج گئے، قیام مظاہر علوم کے مہمان خانہ میں رہا۔ نیند کی کمی مجھ پر بہت اثر انداز ہوتی ہے، سفر میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ سونے کا جو وقت ہے اس میں تخلف نہ ہو، فجر کی نماز کے لئے اٹھا تو پورے بدن میں درد ہورہا تھا، اٹھ کر غسل بھی کیا لیکن کوئی فرق نہ پڑا، نماز کے بعد مولانا خالد سعید مبارکپوری استاذ تخصص فی الحدیث اور مولانا اکرم صاحب بستوی شعبہ تحفظ ختم نبوت سے ملاقات ہوئی، ان لوگوں سے مل کر مہمان خانہ آ گیا، مولانا عبداللہ خالد صاحب نے چائے پلائی، چائے پی کر لیٹ گیا، ناشتہ کے وقت آٹھ بجے انھوں نے جگایا۔ چند منٹ کے بعد مولانا مفتی محمد صالح (نائب مہتمم جامعہ مظاہر علوم) تشریف لائے، ان کو اسی وقت دہلی نکلنا تھا، اس لئے چند منٹ کے بعد وہ روانہ ہو گئے۔

ناشتہ کرنے کے بعد میں نے کہا کہ مظاہر علوم وقف چلیں، وہاں مولانا ناصر الدین مظاہری سے ملنا ہے اور وہاں کے کتب خانہ پر ایک نظر ڈالنی ہے، مولانا ناصر الدین مظاہری نوجوان فضلاء میں سے ہیں، ان کا قلم بہت عمدہ ہے، آئینۂ مظاہر کے ایڈیٹر ہیں، نہایت بے باک اور جری انسان ہیں۔ ان سے واٹس اپ پر رابطہ رہتا ہے، تذکرہ علماء خیرآباد لکھنے کے دوران فضلاء مظاہر علوم کے بارے میں معلومات کے لئے کئی بار ان سے رابطہ کیا، اور انھوں نے بڑی خوش دلی کے ساتھ میرا علمی تعاون کیا جیسا کہ اہل علم کا شیوہ ہوتا ہے، اس کی وجہ سے میرے دل میں ان کی خاص قدر ہے۔ نو بجے سے پہلے ہم دونوں دفتر مظاہر علوم پہنچ گئے، مولانا ناصر الدین صاحب نے گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا، اور ناظم جامعہ مولانا محمد سعیدی صاحب سے ملاقات کرائی، یہ سابق ناظم جامعہ مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے بھتیجے اور ان کے بھائی مولانا اطہر حسین صاحب کے صاحبزادے ہیں، ۲۰۰۳ء سے منصب نظامت پر فائز ہیں۔ ناظم صاحب کو مقصد سفر کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے کافی دلچسپی لی اور مولانا ناصر صاحب سے کہا کہ ان کو کتب خانہ دکھایئے اور جو کچھ

ضرورت ہومہیا کیجئے۔ میں نے ان سے کہا کہ مولانا فخر الدین صاحب کے انتقال کے بعد ایک خاص نمبر شائع ہوا تھا، اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے، اسی وقت ان کی ایک مختصر سوانح ''حیات فخر الاسلام'' ہاپوڑ سے شائع ہوئی تھی تو ناظم صاحب نے فوراً ہاپوڑ کے متعدد لوگوں سے رابطہ قائم کروایا جس میں ''حیات فخر الاسلام'' کے مصنف کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن بھی تھے، لیکن اس خصوصی اشاعت کے بارے میں کچھ علم نہ ہوسکا۔ بعد میں مولانا مجتبیٰ سلّمہٗ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ یہ خصوصی اشاعت مفتی ظفیر الدین صاحب کے کتب خانہ میں ہے اور امید کہ جلد ہی وہ مل جائے گی۔ ناظم صاحب کے یہاں چائے پی کر ہم لوگ کتب خانہ گئے، یہاں کے کتب خانہ میں مخطوطات، قدیم کتب مراجع اور رسائل وجرائد کا بڑا ذخیرہ ہے، میں نے صرف ان کو رسائل کو دیکھا جس میں مولانا فخر الدین صاحب سے متعلق کچھ ملنے کی توقع تھی، ایک ڈیڑھ گھنٹہ یہاں رہنے کے بعد واپسی ہوئی۔ میں نے مولانا ناصر صاحب سے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں توجہ دیں اور جو کچھ معلومات حاصل ہو مجھے اس سے مطلع فرمائیں۔

یہاں سے واپسی کے بعد مولانا سید محمد شاہد صاحب امین عام جامعہ مظاہر علوم کی خدمت میں پہنچے، مولانا کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء ومصنفین میں ہوتا ہے، بطور خاص تاریخ مظاہر علوم وحضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ پر مولانا کی بڑی گراں قدر خدمات ہیں، مولانا اس وقت اپنی خودنوشت سوانح لکھ رہے ہیں، مجھے خودنوشت سے خاص دلچسپی ہے، خدا کرے جلد یہ منظر عام پر آئے۔ مولانا اس سیہ کار پر بہت شفقت فرماتے ہیں، میں نے ان سے بھی مقالہ لکھنے کی درخواست کی، جسے انھوں نے بخوشی منظور کیا اور فرمایا کہ مولانا عبداللہ خالد صاحب مجھے یاد دلاتے رہیں ورنہ کاموں کے ہجوم میں بات ذہن سے نکل جاتی ہے۔ یہاں سے اٹھ کر زکریا منزل مظاہر علوم کے کتب خانہ میں گئے، اور رسائل وجرائد پر ایک نظر ڈال کر کچھ کے عکس لئے۔ یہیں مولانا معاویہ سعدی استاذ تخصص فی الحدیث سے ملاقات ہوئی، وہ بھی کتب خانہ میں کسی چیز کی تلاش میں آئے تھے۔ کتب

خانہ سے نکلے تو مہمان خانہ میں آ گئے، ہفتہ بھر کی مسلسل بھاگ دوڑ اور رات کی بے خوابی کی وجہ سے بدن میں تکلیف اور حرارت ہوگئی، دو پہر کا کھانا کھا کر لیٹا تو نماز کے لئے اٹھنا مشکل ہو رہا تھا، نماز کے بعد اپنے دوست ڈاکٹر محمد ارشد قاسمی (کٹولی، لال گنج) کو کیفیت بتائی، انھوں نے دوا لکھی، مولانا عبداللہ خالد نے دوا منگا کر کھلائی، دوا کھا کر لیٹ گیا، عصر کے وقت طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی۔ عصر کے بعد اپنے قدیم دوست اور عربی کتب کے بڑے تاجر مولانا محمد جنید صاحب (مالک مکتبہ دارالایمان) کے یہاں چائے پینی تھی، نماز پڑھ کر وہاں پہنچے، مولانا عبداللہ خالد اور مولانا اکرم بستوی بھی ساتھ تھے، ٹرین کا وقت سوا چھ بجے تھا، اس لئے پروگرام یہ بنا کہ مولانا جنید صاحب کے یہاں سے اسٹیشن چلیں اور وہیں مغرب کی نماز پڑھ کر ٹرین پر بیٹھ جائیں گے۔

مولانا عبداللہ خالد اور مولانا اکرم بستوی کی معیت میں اسٹیشن والی مسجد میں پہنچے تو مغرب کی جماعت ہو رہی تھی، نماز ادا کر کے اسٹیشن پہنچے تو ٹرین پلیٹ فارم پر لگ رہی تھی، یہاں دس منٹ کا اسٹاپ ہے اس لئے اطمینان کے ساتھ اپنے دوستوں سے الوداعی مصافحہ کر کے ٹرین میں سوار ہوا۔ مولانا عبداللہ خالد نے زادِ راہ ساتھ کر دیا تھا، لیکن طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کچھ کھانے کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اپنی برتھ پر جا کر بیٹھ گیا، مسافرین بڑے شائستہ اور نستعلیق قسم کے تھے، بڑا پرسکون ماحول تھا، ورنہ کیفیات اکسپریس سے دہلی جانے کا اکثر اتفاق ہوتا رہتا ہے، وہاں عجب قسم کا شور و ہنگامہ برپا رہتا ہے، موافق ماحول میسر آنے کی وجہ سے میں نے سفر کے متعلق اپنی یادداشت کو قلم بند کر دیا شروع کر دیا، مقصد یہ تھا کہ اس تحریر کے ذریعہ اہل علم کو سیمینار کے بارے میں معلوم ہو اور وہ اس میں دلچسپی لیں۔ چند صفحات لکھنے کا ارادہ تھا، لیکن جب لکھنا شروع کیا تو محسوس ہوا کہ معاملہ اتنا آسان نہیں ہے، باتوں کو سمیٹنا اور دریا کو کوزہ میں بند کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے، یہ تو جذبات واحساسات کا گلا گھونٹ دینے کے مترادف ہے۔ جیسے جیسے رہوارِ قلم آگے بڑھتا گیا بات پھیلتی گئی اور چند صفحے کا مضمون دسیوں صفحات پر مکمل ہو رہا ہے۔

جیسا کہ میں نے لکھا کہ مرادآباد سے سہارنپور آتے وقت میں نے مفتی سلمان صاحب کی نئی کتاب ''علماء اور طلبہ کے لئے فکر انگیز اور کارآمد باتیں''.....جو اسی روز پریس سے آئی تھی.....کا بیشتر حصہ دیکھ ڈالا، کتاب بہت مفید معلوم ہوئی تو میں نے مفتی صاحب کے صاحبزادے مفتی ابوبکر کو لکھا کہ مجھے اس کتاب کے بیس نسخہ اپنے مکتبہ ضیاء الکتب کے لئے چاہئیں، اس کی کیا صورت ہوگی؟ انھوں نے کہا کہ میں ٹرین پر کتاب بھیج دوں گا، ٹرین مرادآباد پہنچی تو ایک صاحب کتاب لے آئے اور ساتھ میں کھانا بھی لے کر آئے، میں نے کہا کہ کھانا تو ساتھ میں ہے، کہنے لگے صبح کھالیں گے، خراب نہیں ہوگا۔ مرادآباد سے ٹرین چلی تو دوا کھا کر سو گیا، چار بجے آنکھ کھلی تو ٹرین لکھنؤ میں تھی، یہاں سے ٹرین لیٹ ہونی شروع ہوئی اور شاہ گنج سوا گھنٹہ لیٹ پہنچی، یہاں سے کیفیات سے اعظم گڈھ جانے کا ارادہ تھا، ابھی اس کے آنے میں ایک گھنٹے کا وقت تھا، میں نے اسٹیشن پر سفرنامے کی پہلی قسط مکمل کر لی، تب تک ٹرین بھی آ گئی اور سوا گھنٹے میں اعظم گڑھ اور وہاں سے آدھ گھنٹے میں بخیر وعافیت گھر پہنچ گیا۔ اس طرح ایک ہفتہ کا یہ مصروف ترین علمی سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ میں اپنے ان تمام بزرگوں اور احباب کا ممنون ہوں جن کی معاونت مجھے اس سفر میں حاصل رہی، باری تعالیٰ سب کو اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے اور مجھے مزید خدماتِ علمیہ کی توفیق بخشے اور اسے محض اپنے فضل سے قبول فرمائے۔ **آمین یارب العالمین بحرمة سید المرسلین** ﷺ